بنیاد جلد ۱۲، ۲۰۲۱ء

طارق جاوید*

# اُردو رسم الخط کا منبع: تحقیقی جائزہ


## Abstract:

## The Sources of Urdu Script: A Review

This paper endeavours to identify the sources of Urdu script through a comparative study of the letters and features of various scripts. To this end, not only have the views of researchers and historians been extensively consulted, but the fundamental principles of linguistics have also been taken into account. The Urdu script passed through several stages before being evolved into its present state. A brief introduction of the Semitic script, Ārāmī, Nabṯī, Kūfi, Naskh, Ta'līq, and Nasta'līq has been given. The author concludes that the Urdu script is not new; it is a modification of Semitic script.


**Keywords:** Urdu, Script, Nastaliq, Naskh, Arabic.



ایک مربوط و منظم اُردو رسم الخط یک دم وجود میں نہیں آ گیا۔ اسے اپنی موجودہ معیاری صورت قائم کرنے میں کئی مدارج و مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ بادی النظر میں اردو رسم الخط، عربی رسم الخط سے ماخوذ ہے لیکن عربی رسم الخط کا ماخذ کیا ہے؟ اس کو سب سے پہلے کس قوم نے کب اور کہاں استعمال کیا؟ اس کی ابتدائی نوعیت کیسی تھی؟ یہ سب کچھ جاننے سے قبل آسانی اور سہولت کے پیشِ نظر عربی رسم الخط کے آغاز سے لے کر دورِ حاضر میں رائج ''خطِ نستعلیق'' تک کا احوال بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ بعد ازاں عربی رسم الخط کا منبع تلاش کیا جائے گا۔

عربی رسم الخط درحقیقت عرب کی مناسبت سے عربی خط کے نام سے مشہور تھا۔ جب وحی الٰہی کو محفوظ کرنے کا مرحلہ آیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی خط یعنی عربی رسم الخط کو پسند فرمایا۔ اس طرح سے عربی رسم الخط اسلام کا خط بن گیا اور جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں وہاں عربی خط بھی پہنچ گیا۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ظہورِ اسلام سے قبل عربی خط و کتابت سے واقف تھے۔ وحی الٰہی کی اوّلین کتابت انھی ہستیوں نے کی۔ اسلام کا یہ اوّلین دور مکی دور تھا۔ مکہ کی مناسبت سے یہی عربی خط مکی خط بھی کہلایا۔ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد نبوی میں ایک صفہ بنایا جہاں

پڑھنے پڑھانے کے ساتھ ساتھ تحریر و کتابت کا انتظام بھی فرمایا۔ حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ طلبا کو کتابت سکھاتے تھے۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم لکھتے ہیں کہ وہی خط جو پہلے مکہ کی مناسبت سے مکی کہلاتا تھا اب مدینہ کی مناسبت سے مدنی کہلانے لگا[۱]۔ ابنِ ندیم کا بھی یہی کہنا ہے کہ عربی خط شروع میں مکہ کی مناسبت سے مکی اور پھر مدینہ کی نسبت سے مدنی کہلایا[۲]۔ ابنِ ندیم نے الفہرست میں مدنی خط کی درج ذیل خصوصیات تحریر کی ہیں:

۱۔ تحریر بالکل سادہ ہے۔ کسی قسم کا تصنع، تکلف اور آرائش نہیں۔

۲۔ الف خاص خصوصیات کا حامل ہے۔ الف کا سر شاخ دار ہے۔

۳۔ تحریر کی سطریں سیدھی مستقیم نہیں ہیں۔ حروف بھی بالکل سیدھے عمودی نہیں بلکہ خفیف سا ترچھا پن ہے[۳]۔

ابنِ ندیم کی بتائی ہوئی خصوصیات وہی ہیں جو عربی خط میں پائی جاتی تھیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر سیّد محمد سلیم لکھتے ہیں:

> عہدِ نبوی کی جو تحریریں اس وقت تک موجود ہیں۔ ان کے مطالعے سے ابنِ ندیم کی بتائی ہوئی خصوصیات کی تصدیق ہوتی ہے۔۔۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مکی اور مدنی خط درحقیقت وہی خط تھا یعنی اب تک اس میں کوئی تغیر اور اصلاح نہیں ہوئی تھی[۴]۔

مدنی خط کے اوّلین دو کتبات مدینے کے قریب واقع سلع پر پائے گئے ہیں۔ ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک ان کا زمانہ غزوۂ خندق یعنی ۴ ہجری ہے[۵]۔ پہلے کتبے پر علی بن ابی طالبؓ اور دوسرے پر ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام کندہ ہیں۔ کوہِ سلع کے کتبات کے بعد مدنی خط کے جو نمونے ملتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے وہ خطوط ہیں جو انھوں نے ہمسایہ ممالک کے بادشاہوں کو لکھے تھے۔ ان میں سے چھ خطوط اب دریافت ہو چکے ہیں۔ یہ سب ہرن کی کھال کی جھلی پر تحریر ہیں۔ ان کے اندر مدنی خط کی وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جن کی طرف ابنِ ندیم اور دیگر محققین نے اشارہ کیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۴ ہجری/ ۶۳۵ء میں بصرہ میں چھاؤنی قائم کی تو بہت سے عرب قبائل یہاں آباد ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر علم و ادب کا مرکز بن گیا۔ یہاں عربی خط نے خوب ترقی کی۔ چناں چہ عربی خط جو مکے اور مدینے کی مناسبت سے مکی اور مدنی خط کے نام سے پہچانا جاتا تھا، اب بصرہ کی نسبت سے بصری خط کے نام سے بھی پہچانا جانے لگا۔ بعض محققین کے ہاں بصری خط کا کوئی حوالہ نہیں ملتا حال آں کہ سب سے پہلے اس خط نے بصرہ ہی میں ترقی کی تھی۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم لکھتے ہیں:

> سب سے پہلے خط نے بصرہ میں ترقی کی۔ بعض کتابوں میں خطِ کوفی کی طرح خطِ بصری کا نام بھی ملتا ہے۔ وہاں کے ایک کاتب بہت مشہور ہیں ''امام حسن بصری''[۶]۔

خطِ بصری کی شہرت زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی کیوں کہ بہت جلد ۱۷ ہجری/ ۶۳۸ء میں کوفہ آباد ہوگیا اور ایسا آباد ہوا کہ چار دانگ عالم میں اس کی دھوم مچ گئی۔ خوش قسمتی سے کوفے کو ابتدا ہی میں عبداللہ بن مسعودؓ جیسے عظیم قاضی اور معلّم میسر آگئے تھے جن کی زیر تربیت یہاں علم وادب کے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے[۷]۔ عربی بادشاہ حیرہ کے دارالسلطنت جندی سابور میں نسطوری عیسائیوں کا قدیم مدرسہ اور ایرانی تمدن کے بڑے مراکز اصطخر اور مدائن کوفے کے قریب واقع ہونے کی وجہ سے سریانی لکھنے والے بہت سے عیسائی اور دیگر لوگ پہلے ہی یہاں آکر بس گئے تھے[۸]۔ جب حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو یہ ایک بین الاقوامی شہر بن گیا اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے مختلف رنگ ونسل اور مذاہب کے لوگ یہاں آکر آباد ہوگئے اور کوفہ صنعت وحرفت اور علم و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ یہاں دیگر علوم وفنون کے ساتھ ساتھ فنِ کتابت کو بھی فروغ ملا۔ بے شمار ایسے کاتب تیار ہوگئے جو عربی خط کو خوب صورت اور مختلف انداز میں لکھنے لگے تھے۔ اس دور میں عربی خط نے بڑی وسعت اختیار کرلی تھی۔ چناں چہ عربی خط جو پہلے کبھی مکی، مدنی اور بصری خط کے نام سے مشہور تھا اب کوفے کی نسبت سے خط کوفی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ابنِ ندیم لکھتے ہیں:

> عربی رسم الخط میں سب سے پہلا رسمِ خط مکی ہے اس کے بعد مدنی، پھر بصری، پھر کوفی[۹]۔

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ خطِ کوفی میں صرف سطح ہے دور نہیں ہے یعنی خطِ کوفی میں حروف صرف خطِ اُفقی اور خطِ عمودی بناتے ہیں۔ ان کے اندر گولائی بالکل نہیں ہوتی۔ یہ بات جتنی مشہور ہے اتنی ہی حقیقت سے دور ہے۔ خطِ کوفی تو کیا اس سے قبل مدنی خط میں بھی دونوں طریقے رائج تھے۔ سطح کا طریقہ اور دور کا طریقہ۔ خطاط ابنِ مقلہ کے نزدیک خطِ کوفی کئی طرز پر لکھا جاتا ہے جن میں دو اقسام اہم ہیں:

۱۔ خطِ یابس یعنی مبسوط جس میں سطح ہی سطح ہوتی ہے دور بالکل نہیں ہوتا۔

۲۔ خطِ لین یعنی متدیر جس میں دور (گولائی) ہوتی ہے[۱۰]۔

پروفیسر سیّد محمد سلیم بھی اس نظریے کے حامی ہیں کہ خطِ کوفی میں دور اور سطح دونوں طریقے رائج تھے۔ اُن کے الفاظ میں:

> جدید زمانے میں محققین نے ۳۳ھ کی تحریر کردہ بردیٰ کاغذ پر ایک تحریر دریافت کی ہے۔ یہ خطِ مدنی میں ہے مگر اس کے اندر دور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خطِ کوفی میں اور اس سے قبل خطِ مدنی میں بلکہ شاید خطِ مکی میں بھی دور تھا[۱۱]۔

محققین و ماہرین کے دلائل سے ظاہر ہے کہ خطِ کوفی میں سطح اور دور دونوں طریقے رائج تھے البتہ خطِ یابس کثیر الاستعمال

تھا۔ اس کے نمونے وافر مقدار میں ملتے ہیں اور خطِ لین قلیل الاستعمال تھا لہٰذا اس کے نمونے کم یاب ہیں۔

عبدالملک بن مروان نے خط کی طرف خصوصی توجہ دی۔ اس نے ساری مملکتِ اسلامیہ میں عربی زبان اور عربی خط کو نافذ کر دیا۔ ہر قسم کی مراسلت عربی زبان میں ہونے لگی۔ اس سے عربی زبان کے کاتبوں کی طلب بڑھ گئی۔ بے شمار پیشہ ور کاتب تیار ہو گئے۔ پیشہ ور کاتبوں کے اندر مسابقت کے جذبے نے ان کو تحسینِ خط اور تزئینِ خط کی طرف مائل کر دیا اور یوں کتابت میں جدتیں پیدا ہونا شروع ہو گئیں اور خطِ کوفی کئی طرح سے لکھا جانے لگا۔ یوں خط کوفی کئی ناموں سے مشہور ہوا۔ خط کوفی کے لکھنے کے پچاس سے زائد انداز ملتے ہیں[۱۲]۔ یہ نام کچھ تو تحریر کی اپنی انفرادیت اور کچھ علاقوں کی مناسبت سے رکھے گئے مثلاً جب بنو اُمیہ نے شام میں اپنی حکومت قائم کی تو کوفہ کی ساری رونق شام میں منتقل ہو گئی۔ شام میں پہنچ کر یہ خط، خطِ کوفی شامی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ بنو اُمیہ کے زوال کے بعد ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی اور مرکزِ خلافت دمشق سے بغداد منتقل ہوا تو بغداد علوم وفنون کا مرکز بن گیا اور خطِ کوفی یہاں پہنچ کر خطِ کوفی بغدادی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہی خط جب قیروان میں پہنچا تو وہاں خطِ کوفی کی بجائے خطِ قیروانی کہلایا۔ قیرون سے یہ خط جب اُندلس پہنچا تو وہاں اس کو قرطبی کہنے لگے۔ اُندلس کی تباہی کے بعد جب یہ خط مراکش میں پہنچا تو وہاں مغربی یا مراکشی کہلایا۔ ''قیروانی، قرطبی اور مراکشی اِن تینوں میں سے مزید ایک ایک شاخ نکلی۔ قیروانی سے تونسی، قرطبی سے فاسی اور مراکشی سے جزائری[۱۳]۔'' سوڈانی یا تکروری بھی مراکشی کی ایک شاخ تسلیم کی جاتی ہے۔ اِس کے علاوہ محمد اسحاق صدیقی نے اپنی تصنیف فنِ تحریر کی تاریخ میں خطِ کوفی کی کچھ مزید شاخوں کا ذکر بھی کیا ہے[۱۴]۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم کے مطابق ان میں دو قلم زیادہ نمایاں ہیں: بنائی معقلی اور تزئینی مشجر[۱۵]۔ خطِ بنائی یا معقلی میں حروف مربع یا مستطیل کی شکل میں لکھے جاتے ہیں چوں کہ ان تحریروں کو معمار (بنائی) استعمال کرتے تھے اس لیے اِس خط کو بنائی کہنے لگے۔ دوسرے یہ کہ یہ خط قلعوں کے دروازوں پر استعمال ہوتا تھا اِس لیے اسے معقلی کہنے لگے۔ خطِ معقلی کی تین قسمیں ہیں سادہ، متوسط اور مشکل۔ یہ تقسیم پڑھنے کے اعتبار سے ہے۔ جو آسانی سے پڑھا جاسکے اُسے سادہ اور جس کے پڑھنے میں دقت ہو وہ مشکل کہلاتا ہے۔ خطِ تزئینی مشجر میں خط کو خوب صورت اور دل کش بنانے کے لیے ساری توجہ زینت اور زیبائش کی طرف دی جاتی ہے۔ حروف کو مختلف شکلوں میں لکھا جاتا ہے۔ کبھی درخت کی شاخ اور کبھی پتوں اور غنچوں کی طرح لکھا جاتا ہے۔ ''خطِ تزئینی کی کئی قسمیں ہیں مگر مشہور درج ذیل ہیں مشجر، مورق، مزہر، معقد، مظفر اور موشح[۱۶]۔'' خطِ کوفی پچاس سے زیادہ انداز میں

لکھا جاتا تھا مگر دو روش زیادہ رائج تھیں۔ قلم جلیل یا طومار اور قلم دقیق یا قرمط یعنی موٹا خط اور باریک خط۔ قلمِ جلیل یا طومار کی وجہ تسمیہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بردی کاغذ کے سالم تختے کو طومار کہتے تھے۔ امیر معاویہؓ ایک خاص موٹے قلم سے لکھتے تھے کسی دوسرے کو اس کے استعمال کی اجازت نہیں تھی۔ اس خاص قلم کو قلمِ جلیل کہتے تھے۔ امیر معاویہؓ اس قلمِ جلیل سے طومار پر دستخط کرتے تھے۔ بعد میں دوسرے فرماں رواؤں نے بھی یہی طریقہ اپنایا اور یوں اس موٹے خط کو خطِ طومار کہا جانے لگا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے کاتبوں کو حکم دیا تھا کہ وہ زیادہ کاغذ ضائع نہ کریں اور باریک خط سے لکھیں یعنی قرمط لکھیں[۱۷]۔ انھیں فرامین کی روشنی میں خطِ قرمط کی روش چلی تھی۔ مامون عباسی کے دور تک تقریباً ۵۰ قلم وجود میں آ چکے تھے۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ یہ تمام خط کوئی علاحدہ وجود نہیں رکھتے تھے بلکہ خطِ کوفی ہی میں معمولی ترمیم سے پیدا ہوئے تھے[۱۸]۔ اس سلسلے میں ممتاز حسین جونپوری لکھتے ہیں کہ یہ تمام خط محض آرائش و زیبائش اور تفریحِ طبع کے لیے لکھے جاتے تھے۔ یہ سب خط دولت وحشمت کے زمانے کی نمود اور تفریح کے خط تھے جو زمانے کے ساتھ مٹ گئے[۱۹]۔ خطِ کوفی صدیوں تک عالم اسلام کا مقبول خط رہا۔ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں کہ رفتہ رفتہ کوفی کو آرائشی مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ خطِ کوفی تزئینی، خطِ کوفی مشجر، خطِ کوفی سیرانی، خطِ کوفی گلزار اور خطِ کوفی قفل وغیرہ سے اس کی شکل پیچیدہ ہوگئی۔ جب خطِ کوفی کو اس طرح تفریحِ طبع اور آرائش وزیبائش کے لیے استعمال کیا جانے لگا تو عوام سے اس کا رابطہ ٹوٹنا شروع ہوگیا۔ لہٰذا خطِ کوفی آرائشی و تزئینی قرار پا کر عمومی استعمال سے خارج ہوگیا اور اس کی جگہ خطِ نسخ نے لے لی[۲۰]۔ اب خطِ کوفی صرف قرآن مجید لکھنے کے لیے استعمال ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ قرآن نویسی میں بھی کوفی کی جگہ نسخ نے لے لی۔ پانچویں صدی ہجری میں خطِ کوفی روبہ زوال نظر آتا ہے۔ ساتویں صدی ہجری میں یہ خط بالکل معدوم ہوگیا۔ م۔ ی۔ قیصرانی لکھتے ہیں کہ افادی پہلو سے دیکھیں تو نسخ میں خطِ کوفی کی وہ تمام خوبیاں مثلاً اعراب، نقاط، حروفِ علت وغیرہ جو اس نے اپنے ارتقا کے دوران حاصل کیں موجود تھیں جب کہ کوفی کی عمومی خامیاں مثلاً حروف کی انتہائی پیچیدہ صورتیں وغیرہ نسخ میں موجود نہیں تھیں[۲۱]۔ خطِ نسخ انھی خوبیوں کی بنا پر ایک مکمل، منظم اور معتدل خط تھا۔ بعض محققین و مؤرخین کے نزدیک خطِ نسخ وزیر ابنِ مقلہ کی اختراع ہے۔ ممتاز حسین جونپوری لکھتے ہیں کہ خط نسخ ۳۱۰ھ خلیفہ المقتدر باللہ کے زمانے میں اس کے وزیر ابنِ مقلہ نے ایجاد کیا[۲۲]۔ اسی طرح پروفیسر محمد سجاد مرزا لکھتے ہیں:

> ابنِ مقلہ مقتدر باللہ ۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ کا وزیر تھا مگر خطاطی اور خوش نویسی کی قلم رو کا بادشاہ تھا۔ ۔ ۔ اس نے

> قدیم اور مروّجہ خطوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چھ خط ایجاد کیے جن کے نام یہ ہیں: (۱) خطِ محقق (۲) خطِ ریحان (۳) خطِ ثلث (۴) خطِ نسخ (۵) خطِ رقاع (۶) خطِ توقیع [۲۳]۔

اعجاز راہی کا بیان بھی ممتاز حسین جونپوری اور پروفیسر محمد سجاد مرزا کے نظریے کی تائید کرتا ہے۔ اعجاز راہی لکھتے ہیں:

> ابتدائی دور کے تمام فرامین، خطوط اور مراسلے خطِ کوفی ہی میں لکھے گئے۔ اگر خطِ نسخ کی تاریخ بھی کہیں دور ماضی میں موجود ہوتی تو محققین کا اس کو نظر انداز کرنے کا بظاہر کوئی جواز نظر نہیں آتا۔ تاریخ میں کسی دوسرے خط کا تذکرہ نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ماضی میں نسخ خطِ کوفی جیسی قدامتی جڑیں نہیں رکھتا [۲۴]۔

مندرجہ بالا محققین کے علاوہ سیّد یوسف بخاری[۲۵]، ڈاکٹر وحید قریشی[۲۶]، عبدالقیوم[۲۷]، سیّد انیس الحسن[۲۸] اور ابنِ کلیم[۲۹] کے نزدیک بھی خطِ نسخ کے موجد ابنِ مقلہ ہیں۔ سیّد انیس الحسن اس سلسلے میں مولانا جامی کا ایک شعر بھی پیش کرتے ہیں:

ابنِ مقلہ وضع کرد ایں شش خط از خطِ عرب
ثلث و ریحان و محقق، نسخ و توقیع و رقاع

مندرجہ بالا تمام محققین کے برعکس پروفیسر سیّد محمد سلیم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خطِ نسخ کے مخترع وزیر ابنِ مقلہ نہیں ہیں۔ ان کے مطابق خطِ نسخ وزیر ابنِ مقلہ سے بہت پہلے رائج تھا مگر پروفیسر سیّد محمد سلیم اپنے اس دعوے کی تائید میں کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کرنے سے عاجز رہے۔

ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ ایران میں عربوں کی آمد سے قبل قدیم مسماری خط کی اگلی شاخ یعنی خطِ پہلوی اور اس کی ذیلی شاخیں (دین دفتریہ، دیش دبیریہ، الکتج، شاہ دبیریہ، نامہ دبیریہ، راز سہریہ اور راس سہریہ وغیرہ) رائج تھیں۔ جب اسلامی فتوحات کا دائرہ ایران تک پہنچا تو مفتوح ایرانیوں نے اپنا قدیم پہلوی خط ترک کرکے فاتح قوم کا عربی رسم الخط (یعنی خطِ نسخ، خطِ رقاع اور خطِ توقیع وغیرہ) اختیار کرلیا[۳۰]۔

عربی رسم الخط کے ماہر خطاطوں کے قلم کی جولانیوں سے رفتہ رفتہ عربی خط اور اس کی اقسام نے آرائشی اور تزئینی خط کی صورت اختیار کرلی۔ عربی خط کی یہ آرائشی صورت جب ایران میں فارسی زبان کی تمام ضروریات کے لیے غیر موزوں ثابت ہونے لگی تو حسن بن حسین علی نے خطِ رقاع اور خطِ توقیع کی آمیزش سے ایک خط ''تعلیق'' وضع کرلیا۔ اس سلسلے میں حکیم محمود علی خان ماہر یوں رقم طراز ہیں:

> ۷۰۰ ہجری (عہدِ شاہان دیالمہ) میں حسن بن حسین بن علی فارسی نے خط نسخ، رقاع اور ثلث کو پیشِ نظر رکھ کر خط تعلیق ایجاد کیا جس کا دوسرا نام خط ترسیل ہے [۳۱]۔

حافظ یوسف سدیدی نے یاقوت مستعصمی کو خطِ تعلیق کا موجود قرار دیا ہے[۳۲]۔ حافظ یوسف سدیدی کے نظریہ کو زیادہ ماہرین کی تائید حاصل نہیں لہٰذا حکیم ماہر کا نظریہ مستند سمجھا جا سکتا ہے کہ اسے بہت سے ماہرین کی تائید حاصل ہے۔ خطِ تعلیق چوں کہ عام ضروریات کے تحت وضع کیا گیا اس لیے اس خط میں اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ تیزی سے لکھا جا سکے۔ اپنی اس روانی کی بدولت خطِ تعلیق بہت جلد عوام میں مقبول ہوگیا اور نہ صرف عام مراسلت بلکہ سرکاری خط کتابت بھی اسی میں ہونے لگی۔ اس خط میں الفاظ چوں کہ اس طرح جڑے ہوتے ہیں کہ ان میں تبدیلی ناممکن ہوتی ہے اس لیے اس خط کو سرکاری دستاویزات کے لیے محفوظ خط سمجھا جاتا ہے۔ عام مراسلت اور سرکاری خط کتابت کی وجہ سے اس کو ''خطِ ترسل'' بھی کہتے ہیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز کے نزدیک یہ نام اس کی داخلی کیفیت یا خصوصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے افادی کردار کی وجہ سے ہے[۳۳]۔ خطِ تعلیق کی اسی روانی سے متاثر ہوکر بعض ماہرین یہ خیال کرنے لگے کہ ممکن ہے اس خط کو دفتر کے کاتبوں اور منشیوں نے ایجاد کیا ہو۔ منشیوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ عجلت میں وہ کلمے کے آخری حرف کو دوسرے کلمے کے اوّل حرف سے ملا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حروفِ منفصلہ کو بھی ملا کر لکھ دیتے ہیں۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم کے مطابق دفتر کے کاتبوں اور منشیوں کی لفظوں کو باہم ملا کر لکھنے والی اسی روش نے ایک مستقل خط کی صورت اختیار کرلی اور یہ صورت ''خطِ تعلیق'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ تعلیق کے معنی لٹکانا، چپکانا اور جوڑنا کے ہیں۔ اِس خط میں حروف اور الفاظ چوں کہ باہم جڑے اور ملے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے اس کو ''تعلیق'' کہتے ہیں۔ بعض ماہرین کے نزدیک خطِ تعلیق کے موجد حسن بن حسین علی ہیں۔

خطِ نسخ اور تعلیق ساتھ ساتھ رائج تھے۔ اہلِ ایران کی ایک اور بڑی کاوش خطِ نسخ اور تعلیق کے اتصال سے ایک نیا خط وضع کرلیا۔ اختر الدین احمد شاغل عثمانی کے نزدیک صاحبِ قراں تیمور کے زمانے میں خط نستعلیق میر علی تبریزی نے ایجاد کیا[۳۴]۔ ابوالفضل علامی ایک ایسے شخص ہیں جو میر علی تبریزی کو خط نستعلیق کا موجد نہیں مانتے۔ مولوی اختر الدین احمد شاغل عثمانی نے اس بابت لکھا ہے کہ اگرچہ ابوالفضل علامی کی شخصیت سے انکار نہیں مگر یہ روایاتِ متواتر اور مذہبِ جمہور کے خلاف ہے لہٰذا میر علی تبریزی کو ہی نستعلیق کا موجد ماننا پڑے گا[۳۵]۔ ابتدا میں اس کا نام ''نسخ تعلیق'' رکھا گیا۔ نسخ تعلیق جو کہ بڑا ثقیل نام تھا اپنے کثرتِ استعمال اور لسانی عمل میں مختصر ہوکر ''نستعلیق'' رہ گیا۔ یہ نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ اسی لیے اس کو'' عروس الخط'' بھی کہا جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں اُردو کی کتابت نستعلیق ہی میں ہو رہی ہے۔ خط نستعلیق،

اُردو رسم الخط کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ گویا کہ اُردو رسم الخط وہ عربی رسم الخط ہے جو زمانے کے ساتھ ساتھ مکی، مدنی، بصری، کوفی، ریحان، رقاع، بنائی، تزئینی، مشجر، نسخ، تعلیق اور نستعلیق کا نام پاتا ہوا موجودہ ہیئت اور حیثیت میں اُردو رسم الخط کے نام سے مشہور ہے۔

یہاں تک ہم نے دیکھا کہ اُردو رسم الخط درحقیقت عربی رسم الخط سے ماخوذ ہے مگر ابھی مآخذ کی فہرست مکمل نہیں ہوئی۔ دیکھنا یہ ہے کہ عربی رسم الخط کا ماخذ کیا ہے؟ اس کو کس قوم نے کب اور کہاں استعمال کیا؟ عربی رسم الخط کے ماخذ اور سرچشمے کے متعلق قدیم اور جدید محققین و مستشرقین کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ مؤرّخ بلاذری اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک خط عربی درحقیقت سریانی خط سے ماخوذ ہے[۳۶]۔ بلاذری کا یہ نظریہ درست معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ سریانی کا غلبہ حیرہ کی ریاست میں تھا۔ وہ ایک عیسائی ریاست تھی اور آج تک وہاں سے عربی کا کوئی کتبہ دریافت نہیں ہوا۔اس لیے عربی کو سریانی سے ماخوذ قرار دینا قرین قیاس نہیں۔بعض محققین کا خیال ہے کہ عربی خط انبار سے حیرہ (کوفہ) اور پھر وہاں سے حرب بن اُمیہ کے ذریعے مکہ پہنچا ہے۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا لکھتے ہیں:

> عربی خط کا پہلا دور کوفے سے شروع ہوتا ہے جس کا نام اس زمانے میں حیرہ تھا۔ یہ عراق عرب کا ایک مشہور و معروف اور قدیم شہر تھا...... رفتہ رفتہ یہ خط جزیرۃ العرب یعنی مکہ، مدینہ اور طائف میں پہنچا اور خطِ کوفی کے نام سے مشہور ہوگیا[۳۷]۔

ممتاز حسین جونپوری بھی اسی نظریے کے قائل ہیں۔ان کے نزدیک حرب بن اُمیہ حیرہ (کوفہ) سے یہ خط سیکھ کر آئے۔ اس لیے عرب میں اس کا نام خطِ کوفی پڑا اور رفتہ رفتہ یہی اس کا نام ہوگیا[۳۸]۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ حیرہ سے کوئی ایسی قدیم تحریر دستیاب نہیں ہوئی جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ عربی خط حیرہ سے ماخوذ ہے۔ دوسرے یہ کہ خطِ کوفی کو کوفہ شہر کی طرف منسوب کرنا قطعی طور پر درست نہیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں:

> خطِ کوفی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک مغالطہ عام طور پر پایا جاتا ہے۔ اکثر محققین نے اسے کوفے سے منسوب کیا ہے۔ خطِ کوفی کو کوفہ سے منسوب کرنا بڑی غلطی ہے[۳۹]۔

دیکھا جائے تو یہ غلطی ڈاکٹر ایف۔ اے۔ خان[۴۰] اور محمد عبداللہ چغتائی[۴۱] سے بھی سرزد ہوئی ہے۔ وہ بھی خطِ کوفی کو کوفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خطِ کوفی کی طرف منسوب کرنا کیوں غلط ہے؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر وحید قریشی یوں رقم طراز ہیں:

> کوفے کی بنا ۱۷ہجری / ۶۳۸ء میں پڑی لیکن خطِ کوفی کے نمونے قدیم تر ہیں اور ان کی ابتدا کوفے سے مربوط معلوم نہیں ہوتی۔ آغاز میں اس کا نام کچھ اور ہوگا۔ ابنِ ندیم (وفات اندازاً ۳۹۰ھ/۱۰۰۰ء) پہلا شخص ہے جس نے اس خط کو کوفی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب بنی اُمیہ (۱۳۲ھ[۴۱]) کے زمانے میں کوفہ مرکزی علمی رتبہ حاصل کرگیا اور بصرے اور کوفے کو شہرت ملی تو اس زمانے میں کوفہ خطاطی کا مرکز بن جانے کے سبب اس اعزاز کا اہل ہوا ہوگا[۴۲]۔

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد یہ نظریہ کہ عربی خط انبار سے حیرہ (کوفہ) اور پھر وہاں سے حرب ابنِ اُمیہ کے ذریعے مکہ پہنچا صریحاً باطل ہو جاتا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ خطِ عربی، خطِ مسند سے ماخوذ ہے۔ ابنِ ندیم اس نظریے کی تائید نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک خطِ عربی اور خطِ مسند میں بہت بڑا فرق ہے[۴۳]۔ ڈاکٹر گیان چندجین کے نزدیک عربی خط جدید سینائی خط سے ماخوذ ہے۔ گیان چندجین لکھتے ہیں:

> شمالی عرب، مشرقی اُردن اور سینا میں نبطی قوم آباد ہے۔ انھوں نے دوسری صدی قبل مسیح میں ارامی خط اختیار کرلیا اور یہ لکھائی نبطی خط کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے پہلی صدی عیسوی میں جدید سینائی خط نکلا۔ تیسری صدی میں عربوں نے نبطی خط کی اس شاخ کو اختیار کرلیا[۴۴]۔

عربی خط کے مآخذ سے بحث کرتے ہوئے ابنِ ندیم نے ہشام کلبی کے نظریے کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ ہشام کلبی کے نزدیک عربی رسم الخط کی بنیاد عرب عاربہ کے ایک گروہ نے رکھی جنھوں نے عدنان بن اڈّ کے ہاں قیام کیا تھا۔ ان کے نام یہ تھے۔ ابجد، ہوز، حطی، کلمن، صعفس، قرشت۔ اس شکل و اعراب کی کتابت کا انداز انھوں نے اپنے ناموں کے مطابق مقرر کیا تھا۔ یہ لوگ شاہانِ مدین سے تعلق رکھتے تھے اور شعیب علیہ السلام کے زمانے میں یوم الظلہ میں ہلاک ہوئے۔ کلمون کی بہن نے اس پہ مرثیہ بھی کہا۔ اعجاز راہی لکھتے ہیں کہ ابنِ عباس کے نزدیک سب سے پہلے جن لوگوں نے عربی رسم الخط وضع کیا وہ قبیلہ بولان کے تین اشخاص تھے جو انبار میں مقیم ہو گئے تھے۔ انھوں نے حروفِ مقطع اور موصولہ وضع کیے۔ ان کے نام مرامر بن مرہ، اسلم بن سدرہ اور عامر بن جدرہ تھے۔ مرامر نے شکل وصورت کو، اسلم نے فصل و وصل کو اور عامر نے نقطوں کو وضع کیا[۴۵]۔ مکحول کے مطابق وہ پہلا گروہ جس نے عربی رسم الخط وضع کیا۔ نفیس، نضر، تیما اور دومہ پر مشتمل ہے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے جب کہ عمر بن شبہ کے مطابق بنومخلد بن نضر بن کنانہ کا ایک شخص عربی رسم الخط کا موجود ہے[۴۶]۔

مندرجہ بالا سبھی نظریات میں چندافراد پر مشتمل ایک گروہ یا کسی فردِ واحد کو عربی رسم الخط کا موجود ٹھہرایا گیا ہے۔

اوّل یہ کہ ایسا مربوط صوتی نظام جس میں حروف واصل اور موصول کی خصوصیات بھی رکھتے ہوں اور مقطعات کی بھی کسی فردِ واحد کی ایجاد معلوم نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے زمانے سے قبل بھی عربی خط کا سراغ ملتا ہے۔ تیسرے یہ کہ عربی رسم الخط کے ماخذ کی بحث میں ان شخصی نظریات کو زیادہ محققین کی تائید حاصل نہیں ہے۔ ایک روایت کے مطابق عربی خط نبطی خط سے ماخوذ ہے۔ نبطی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحب زادے نیابت تھے اور نیا بوط نیابت کا بیٹا تھا جن کے نام پر نبطی قوم کی بنیاد پڑی۔ یہ قوم موجودہ اردن کے علاقے میں آباد تھی۔ یونانی اس کو ''Petra'' اور عربی ''بطرا اور تدمر'' کہتے تھے۔ یہ قبیلہ اتنا پھیل گیا تھا کہ اس کے دو مرکزی شہر تھے۔ ایک کو ''صلع یا بطرا'' کہتے تھے۔ یہ شمال میں واقع تھا۔ جنوب میں واقع دوسرے شہر کا نام ''حجر اور مدائن'' تھا۔ تجارتی شاہراہ پر واقع بصرہ ان کی تجارتی منڈی تھا۔ ۲۰۰ بعد مسیح نبطیوں نے خط کی طرف توجہ دی۔ اس دور میں نبطی خط نے کافی شہرت حاصل کی اور دور تک پھیل گیا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ عربی خط کا ماخذ یہی نبطی خط ہے۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم اس نظریے کی تائید میں لکھتے ہیں کہ عربی خط کا مولد و منبع نبطیوں کا علاقہ ہے۔ بہت ممکن ہے نبطی عربوں نے ہی حجازی عربی کو تحریر میں لانے میں سبقت کی ہو[47]۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے عربی خط کو نبطی خط سے ماخوذ قرار دینے میں آثارِ قدیمہ کی سند بھی پیش کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> عربی تحریر کا قدیم ترین کتبہ ام الجمال کا کتبہ ہے جس کا زمانہ تحریر ۲۵۰ء ہے اور آخری کتبہ چھٹی صدی عیسوی کا ہے۔ یہ دونوں کتبے نبطیوں کے علاقے سے دستیاب ہوئے ہیں[48]۔

نبطیوں کے عرب قبائل کے ساتھ گہرے تجارتی تعلقات تھے بلکہ نبطی بھی نسلاً عرب ہی تھے۔ ان کی زبان بھی عربی ہی کا ایک لہجہ تھی۔ عربی قدیم کے تمام کتبات بھی نبطیوں کے علاقے ہی سے دریافت ہوئے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ کہ نبطی خط کی امتیازی خصوصیات عربی خط میں بہ درجہ اُتم موجود ہیں۔ ان تمام شواہد کی بنا پر راقم الحروف کے نزدیک یہ نظریہ عین قرین صواب ہے کہ عربی خط دراصل نبطی خط سے ماخوذ ہے۔

عربی خط کا ماخذ نبطی خط ہے مگر نبطی خط کے ماخذ اور سرچشمے کی تلاش کے لیے ہمیں ماضی میں مزید جھانکنا ہوگا۔ قبل مسیح کے رسوم الخط پر نظر ڈالیں تو ارامی رسم الخط ایک ایسا رسم الخط نظر آتا ہے جو بہت حد تک نبطی خط سے مماثل ہے۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم کے مطابق بحرِ روم سے لے کر بحرِ ہند تک اور افریقہ سے لے کر ہندوستان تک کا علاقہ ان کی تجارتی

منڈی بن گیا تھا۔ ۱۴۰۰ قبل مسیح میں ارامی قوم ہر لحاظ سے اپنے عروج پر تھی۔ غالباً اسی دور میں ان کے رسم الخط میں نمایاں خصوصیات ابھر کر سامنے آئی ہوں گی۔ ڈاکٹر گیان چند جین کے نزدیک نبطیوں نے دوسری صدی قبل مسیح میں ارامی خط اختیار کرلیا اور یہ لکھائی نبطی خط کے نام سے مشہور ہوئی[۴۹]۔

مؤرّخین و محققین کی آرا سے قطع نظر نبطی اور ارامی خط میں حروف کی بناوٹ و سجاوٹ کے اعتبار سے بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ ارامی اور نبطی خط کے چند حروف ترکیبِ سابق اور ترکیبِ لاحق دونوں کے سزا وار ہیں یعنی واصل بھی ہوتے ہیں اور موصول بھی۔

۲۔ ارامی اور نبطی خط کے بعض حروف صرف ترکیبِ سابق قبول کرتے ہیں یعنی صرف واصل ہوتے ہیں مثلاً ''ز'' اور ''ر'' وغیرہ۔

۳۔ بعض حروف کی شکلیں جوڑ میں آکر مختلف ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ''غ''، ''م'' اور ''ی'' وغیرہ۔

۴۔ تائے تانیث کو تائے مبسوط لکھتے ہیں۔ امتہ کو امت لکھتے ہیں۔

۵۔ الف کے اسفل میں داہنی جانب جھکاؤ رکھتے ہیں۔

محققین کے نظریات اور مندرجہ بالا صوری اور صوتی مماثلتوں کے پیشِ نظر راقم الحروف کے نزدیک نبطی خط ارامی خط سے ماخوذ ہے۔ گویا عربی رسم الخط جو نبطی خط سے ماخوذ ہے اور جسے اُردو رسم الخط بھی کہتے ہیں۔ اس کا اصل سرچشمہ و منبع ارامی رسم الخط ہے۔ یہاں پر ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے کہ زمانہ ماضی میں بعض احباب کی جانب سے یہ اصرار رہا ہے کہ اُردو رسم الخط کو تبدیل کرکے دیوناگری یا رومن رسم الخط اپنا لیا جائے۔ ان احباب کی خدمت میں عرض ہے کہ رسم الخط کی جڑیں تہذیب و ثقافت کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ محمد حسن اپنے مضمون ''اُردو رسمِ خط کے تہذیبی رشتے'' میں یہ سوال اٹھاتے ہوئے کہ ''زبانیں مخصوص رسمِ خط کیوں اختیار کرتی ہیں؟'' کہتے ہیں کہ رسمِ خط کا انتخاب اتفاقی نہیں تہذیبی، سماجی اور سیاسی تقاضوں کے تابع ہوتا ہے[۵۰]۔ گویا رسم الخط تہذیب و ثقافت کا ترجمان ہوتا ہے۔ رسم الخط کی تبدیلی سے ایک قوم اپنی روایات سے خود ہی دست بردار ہو جاتی ہے اور آنے والے وقت میں اس رسم الخط میں موجود تمام سرمایہ علم اس کے لیے اجنبی ہوجاتا ہے۔ گوپی چند نارنگ نے اپنی تصنیف اُردو زبان و لسانیات میں شامل اپنے مضمون ''اُردو رسم الخط: تہذیبی و لسانیاتی مطالعہ'' میں بہت صراحت کے ساتھ اس موضوع پر لکھا ہے۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں کہ رسم الخط

میں تبدیلی کا مشورہ دینے والوں کو تہذیبی و لسانیاتی پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے[۵۱]۔

ارامی رسم الخط صرف اُردو رسم الخط کا ہی ماخذ نہیں بلکہ دنیا میں رائج متعدد رسوم الخط اس سے ماخوذ ہیں۔ ارامی رسم الخط سے قدیم سامی رسم الخط ہے۔ڈاکٹر رؤف پاریکھ کے نزدیک اُردو رسم الخط اسی سامی رسم الخط کی ترمیم شدہ شکل ہے جو پہلے عرب پھر ایران اور اس کے بعد برِعظیم پاک و ہند میں پہنچا[۵۲]۔ یہ رسم الخط سامی قوم نے ایجاد کیا تھا جو ۲۰۰۰ قبل مسیح میں شام، فلسطین اور جزیرہ نما عرب میں آباد تھی۔ سب سے پہلے حروفِ تہجی کا استعمال اسی قوم میں ملتا ہے۔ سامیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک عرب قوم تھی۔ سیّد سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ سام کا اصل مسکن عرب تھا۔ اس لیے اصل زبان سامی کا جو کچھ نام بھی ہو لیکن جغرافیائی اور ملکی حیثیت سے اس کا نام عربی ہی ہوگا[۵۳]۔ سامی قوم وسیع علاقے تک پھیلی ہوئی تھی اور اپنے بعض رسم و رواج اور عادات و خصائل کی بنا پر دو واضح دھڑوں میں تقسیم تھی: (۱) شمالی سامی (۲) جنوبی سامی۔ تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح میں انھوں نے حلق سے نکلنے والی آوازوں کو صحیح طور پر ظاہر کرنے کے لیے ۲۲ حروف ایجاد کر لیے تھے جنھیں حروفِ ابجد کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

> سامی خط ۱۵۰۰ قبل مسیح میں یا اس سے پہلے وجود میں آ گیا۔ اس کی دو شاخیں تھیں۔ شمالی سامی اور جنوبی سامی۔ شمالی سامی شاخ فلسطین (کنعان) اور شام وغیرہ میں رائج تھی اور جنوبی شاخ جزیرہ نما عرب میں جہاں سے وہ حبشہ پہنچی ۔ ۔ ۔ شمالی سامی خط ۲۲ مصمتی حروف پر مشتمل تھا جن میں سے بعض مصوتوں کا کام بھی دیتے تھے ۔ ۔ ۔ جنوبی سامی خط کے صرف ۹ حروف شمالی سامی سے مشابہ ہیں[۵۴]۔

سامی رسم الخط سے قدیم وہ تصویری لفظ نقش اور رکنی خطوط ہیں جن کا ابتدائی استعمال طوفانِ نوح کے بعد سومیریوں اور مصریوں کے ہاں ملتا ہے۔ ان تصاویری لفظ نقشوں اور رکنی خطوط سے قبل رسم الخط کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

مختصر یہ کہ دست یاب شواہد کی بنا پر حروفِ تہجی پر مشتمل پہلا باقاعدہ رسم الخط سامی خط ہے۔ سامی خط سے مزید تین خط فنیقی، ابتدائی عبرانی اور ارامی پیدا ہوئے۔ ارامی خط ہی عربی خط کی بنیاد بنا۔ یہی عربی رسم الخط مختلف مدارج و مراحل سے گزر کر آج اُردو رسم الخط کے نام سے رائج ہے۔ ارتقائی صورتِ حال کے مطابق گویا سامی رسم الخط ہی اردو رسم الخط کی خشتِ اوّل ہے۔

## حواشی و حوالہ جات

* (پ: ۱۹۷۱ء) لیکچرار، شعبۂ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۱۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، مرتبہ: سیّدعزیز الرحمن، طبع اوّل (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ۵۵۔

۲۔ محمد بن اسحاق ابنِ ندیم وراق، الفہرست، مترجم: محمد اسحاق بھٹی، طبع دوم (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۰ء)، ۱۴-۱۵۔

۳۔ ایضاً، ۹-۱۰۔

۴۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۵۵۔

۵۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، دراسات فی تاریخ الخط العربی، ۳۰-۳۱۔
بہ حوالہ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۵۵۔

۶۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۶۳۔

۷۔ ایضاً، ۶۳۔

۸۔ ایضاً، ۶۳۔

۹۔ محمد بن اسحاق ابنِ ندیم وراق، ''اقوامِ عرب وعجم کا اسلوبِ تحریر اور فنِ لغت نویسی''، مترجم: مولانا محمد حنیف ندوی، مشمولہ جریدہ شمارہ ۲۴ (کراچی: ۲۰۰۴ء)، ۱۹۔

۱۰۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، دراسات فی تاریخ الخط العربی، ۶۴۔

۱۱۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۶۴۔

۱۲۔ ایضاً، ۹۴۔

۱۳۔ محمد اسحاق صدیقی، فن تحریر کی تاریخ، طبع اوّل (علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۶۲ء)، ۲۱۵-۲۱۶۔

۱۴۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۹۴۔

۱۵۔ ایضاً، ۹۵۔

۱۶۔ ایضاً، ۸۲۔

۱۷۔ ایضاً، ۸۲۔

۱۸۔ ڈاکٹر طارق عزیز، اُردو رسم الخط اور ٹائپ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۷ء)، ۱۴۔

۱۹۔ ممتاز حسین جونپوری، خط و خطاطی (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۶۱ء)، ۳۳۔

۲۰۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ''خطِ بہار''، مشمولہ تحقیق، جلد ۱، شمارہ ۱-۲، (لاہور: پنجاب یونیورسٹی)، ۱۱۱-۱۱۲۔

۲۱۔ م۔ ی۔ قیصرانی، ''فن خطاطی''، مشمولہ روزنامہ امروز (لاہور، ۲۲ فروری ۱۹۸۰ء)، ۳۵۔

۲۲۔ ممتاز حسین جونپوری، خط و خطاطی، ۳۳۔

۲۳۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا، ''اُردو رسم الخط''، مشمولہ اُردو رسم الخط انتخاب مقالات، مرتبہ: شیما مجید (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)، ۱۶۱۔

۲۴۔ اعجاز راہی، تاریخ خطاطی، طبع اوّل (اسلام آباد: ادارہ ثقافت پاکستان، ۱۹۸۶ء)، ۸۸۔

۲۵۔ سیّد یوسف بخاری دہلوی، خطاطی اور ہمارا رسم الخط، کراچی: ایچ۔ ایم۔ سعید کمپنی، ۱۹۰۹ء)، ۳۶۔

۲۶۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ''خطِ بہار''، ۱۱۱۔

۲۷۔ عبدالقیوم، تدریس نسخ (لاہور: مطبع عالیہ ٹیمپل روڈ، ۱۹۶۷ء)، ۷۔

۲۸۔ حافظ انیس الحسن سیّد، نستعلیق نامہ (لاہور: دارالنفائس، ۲۰۰۴ء)، ۸۔

۲۹۔ ابنِ کلیم، نقوشِ رعنا (ملتان: دبستانِ فروغ خطاطی، ۱۹۸۱ء)، ۳۶-۳۷۔

۳۰۔ ڈاکٹر طارق عزیز، اُردو رسم الخط اور ٹائپ، ۱۷۔

۳۱۔ حکیم محمود علی ماہر، علم الحروف یا تحقیقاتِ ماہر (دہلی: جامع ہمدرد، ۱۹۳۴ء)، ۹۶۔

۳۲۔ حافظ یوسف سدیدی، ''علم الخط''، مشمولہ فنون، جلد ۴، شمارہ ۱، ۳۴۔

۳۳۔ مولوی اختر الدین احمد شاغل عثمانی، صحیفۂ خوش نویساں (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، ۱۹۸۷ء)، ۶۴۔

۳۴۔ ایضاً، ۶۳۔

۳۵۔ ڈاکٹر طارق عزیز، اُردو رسم الخط اور ٹائپ، ۱۸۔

۳۶۔ مؤرّخ بلاذری، ''عربی رسم الخط''، بہ حوالہ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۴۹۔

۳۷۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا، ''اُردو رسم الخط''، ۱۶۱۔

۳۸۔ ممتاز حسین جونپوری، خط و خطاطی، ۳۱۔

۳۹۔ ڈاکٹر طارق عزیز، اُردو رسم الخط اور ٹائپ، ۱۵۔

۴۰۔ ڈاکٹر ایف۔ اے۔ خان، ''فنِ خطاطی ایک اجمالی جائزہ''، مشمولہ ماہِ نو (لاہور: اکتوبر ۱۹۶۷ء)، ۳۸۔

۴۱۔ محمد عبداللہ چغتائی، سرگزشتِ خط نستعلیق (لاہور: کتاب خانہ نورس ۱۹۷۰ء)، ۶۔

۴۲۔ محمد بن اسحاق ابنِ ندیم وراق، ''اقوامِ عرب و عجم کا اسلوبِ تحریر اور فنِ لغت نویسی''، ۱۹۔

۴۳۔ ڈاکٹر گیان چند جین، عام لسانیات (نئی دہلی: ترقی اُردو بیورو، ۱۹۸۵ء)، ۶۸۳۔

۴۴۔ اعجاز راہی، تاریخ خطاطی، ۵۶۔

۴۵۔ محمد بن اسحاق ابنِ ندیم وراق، الفہرست، ۹۔

۴۶۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، تاریخ خط و خطاطین، ۵۱-۵۲۔

۴۷۔ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، دراسات فی تاریخ الخط العربی، ۱۲۔

۴۸۔ اعجاز راہی، تاریخ خطاطی، ۴۹۔

۴۹۔ ڈاکٹر گیان چند جین، عام لسانیات، ۶۸۳۔

۵۰۔ محمد حسن، ''اُردو رسمِ خط کے تہذیبی رشتے''، مشمولہ معاصر، شمارہ ۳۷ (پٹنہ: دی آرٹ پریس سلطان گنج، ۱۹۸۲ء)، ۳۰۔

۵۱۔ گوپی چند نارنگ، اُردو زبان و لسانیات، (رام پور: رضا لائبریری، ۲۰۰۶ء)، ۱۱۷۔

۵۲۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ، لسانیاتی مباحث (کراچی: فضلی سنز، ۲۰۱۵ء)، ۸۷۔

۵۳۔ سیّد سلیمان ندوی، ''آلِ سام کی قدیم ترین زبان عربی تھی''، مشمولہ جریدہ، شمارہ ۲۴ (کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۰۴ء)، ۲۱۷۔

۵۴۔ ڈاکٹر گیان چند جین، عام لسانیات، ۶۸۱۔

## Bibliography


Abdul Qayyum. *Tadrīs-i Naskh*. Lahore: Matba-i ‘Aaliya, 1967.

al-Warraq, Muḥammad ibn Ishaq al-Nadim. *al-Fehrist*. Translated by Muhammad Ishaq Bhatti. Lahore: Idara Saqafat-i Islamia, 1990.

al-Warraq, Muḥammad ibn Ishaq al-Nadim. “Aqvām-i Arab-o-‘Ajam kā Ūslūb-i Tehrīr aur Fan-i Lughat Navīsī.” Translated by Maulana Muhammad Haneef Nadvi. *Jarida* no. 24. Karachi: 2004.

Anees-ul Hassan, Syed Hafiz. *Nast‘alīq Nāma*. Lahore: Dar al-Nafa’es, 2004.

Aziz, Tariq. *Urdū Rasm-ul Khaṯ aur Tāi’p*. Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1987.

Chughtai, Muhammad Abdullah. *Sarguẕasht-i Khaṯ-i Nastalīq*. Lahore: Kitab Khana Nauras, 1970.

Dehlavi, Sayyid Yousuf Bukhari. *Khaṯāṯī aur Hamārā Rasm-ul khaṯ*. Karachi: H. M. Saeed Company, 1909.

Hassan, Muhammad. “Urdū Rasm-i Khaṯ kē Tehẕībī Rishtē”. *Ma‘āṣir*, no. 37. Patna: The Art Press, 1982.

Ibn Kaleem. *Nūqūsh-i Rā‘anā*. Multan: Dabistan-i Farogh-i Khatati, 1981.

Jain, Gyan Chand. *‘Ām Lisānīāt*. New Dehli: Taraqqi-i Urdu Bureau, 1985.

Jaunpuri, Mumtaz Hussain. *Khaṯ*-o-*Khaṯāṯī*. Karachi: Academy of Educational Research, 1961.

Khan, F.A. “Fan-i Khaṯāṯī Aik Ajmālī Jāi’zā.” *Mah-i Nau*. Lahore: October 1967.

Mahir, Hakeem Mehmood Ali. *‘Ilm-ul Hurūf yā Tehqīqāt-i Māhir*. Delhi: Jamia Hamdard, 1934.

Mirza, Muhammad Sajjad, “Urdū Rasm ul Khaṯ.” In *Urdū Rasm ul Khaṯ (Intikhāb maqālāt)*. Compiled by Shima Majeed. Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, 1989.

Parekh, Rauf. *Lisānīāti Mubāhis̀*. Karachi: Fazli Sons, 2015.

Qaiserani, Meem Ye. “Fan-i Khaṯāṯī.” Daily *Imroz*. Lahore, Feburary 22, 1980.

Qureshi, Waheed. “Khaṯ-i Bahār.” *Tahqeeq* 1, no. 1-2. Lahore: Punjab University.

Rahi, Ejaz. *Tārīkh-i Khaṯāṯī*. Islamabad: Idara-i Saqafat Pakistan, 1986.

Sadidi, Hafiz Yousuf. “Ilm-ul khaṯ.” *Fanoon* 4, no. 01.

Saleem, Syed Muhammad. *Tārīkh-e Khaṯ-o-Khaṯāṯīn*. Compiled by Syed Aziz ur Rehman. Karachi: Zawwar Academy.

Siddiqui, Muhammad Ishaq. *Fan-i Tehrīr kī Tārīkh*. Aligarh: Anjuman-i Taraqi Urdu, 1962.

Sulaiman Nadvi, Syed. “Āl-i Sām kī Qadīm Ẕubān ‘Ārbī Thī.” *Jarida* no. 24. Karachi: 2004.

Usmani, Maulvi Akhtar ud Din Ahmad Shaghil, *Ṣahīfa-i Khūsh Navīsāṅ*. New Delhi: Qaumi Council Bara-i Farogh-i Urdu Zuban, 1987.